مطبوعات

تاریخ تفسیر و مفسرین
مؤلفہ: پروفیسر غلام احمد حریری
صدر شعبہ اسلامیات
اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور
ناشر: ملک سنز پبلشرز۔ کارخانہ بازار
فیصل آباد
مجلد ۴۲۴ صفحات، قیمت: ۴۵/- روپے

موضوع وقیع ہے اور مؤلف فاضل۔ قرآن کا پیغام جاننے کے لیے تفسیر کی بڑی اہمیت ہے۔ آیات کے نزول کا ماحول، سلسلۂ کلام، الفاظ اور مصطلحات کے مفاہیم، اسلوب بیان کی نوعیت بلحاظ قواعد و بلاغت، ناسخ منسوخ، تاریخی واقعات اور سیرت و سوانح کے شواہد، ضمیروں کے مرجعے، غرض قرآن کی بات سمجھنے کے لیے بہت سی معلومات کی مدد لینی پڑتی ہے۔ قرآن کو آسان بنایا گیا ہے تو وہ اس معنی میں نہیں کہ نہ لغت کی ضرورت، نہ تاریخ کی، نہ عربی زبان اور اس کے اسالیب بیان کی، بلکہ کوئی بدوی، جاہل، دورِ نزولِ قرآن سے کسی بعید زمانے کا آدمی خود ہی پڑھ کر ایمانیات، اوامر و نواہی اور دوسری تلقینات کو خود ہی پا سکتا ہے۔ قرآن آسان ہے، مگر تدبر کرنے کے بعد۔

قرآن کا پہلا مفسر خود قرآن ہے، دوسرا مفسر خود رسولؐ اور سنتِ رسول ہے، تیسرا مفسر صحابہ کرام کا سماج اور اس کے متفقہ قبول کردہ رویے ہیں، چوتھے نمبر پر صحابہ کرامؓ کی انفرادی معلومات ہیں۔ پھر وہ تمام تفسیری مساعی اہمیت رکھتی ہیں جو تابعین اور تبع تابعین سے لے کر آج تک سلیم الطبع حضرات یا صحیح الاساس اداروں کی طرف سے کی جا رہی ہیں۔

پروفیسر حریری صاحب نے تفسیر کی ماہیت، اس کے اصولوں، سلف کی تفاسیر اور جدید دور کی تفاسیر کا تعارف بھی کرایا ہے اور فلسفہ زدہ یا انکارِ حدیث پر مبنی یا جدت طرازانہ تفسیروں کا بھی ذکر کیا ہے۔ تفسیروں کے مندرجات بطور مثال بھی پیش فرمائے ہیں۔

یہ کتاب جتنی مفید اعلیٰ مدارج کے طلبائے اسلامیات و تفاسیر کے لیے ہے اتنی ہی ضروری یہ عام اہلِ ذوق کے لیے بھی ہے۔

عصرِ حاضر میں اسلام کیسے نافذ ہو؟
مؤلف: مولینا محمد تقی عثمانی
ناشر: مکتبہ دار العلوم کراچی
قیمت مجلد ۳۴ صفحات ۴۰/- روپے

لائق مقدر مؤلف اپنی قابلیت کے علاوہ جذبۂ اصلاحِ احوال کے لحاظ سے بھی خاص مقام رکھتے ہیں اور مفتی محمد شفیع صاحب مغفور کے خلف اور جانشین ہونے کے لحاظ سے بھی ہماری نگاہ میں قابل احترام ہیں۔

مولینا نے مسئلہ بہت اہم چھیڑا ہے جس سے پاکستان میں خصوصاً اور پورے عالم اسلام میں مجموعی طور پر ہمیں سابقہ درپیش ہے۔ مسئلہ دستور سے لے کر معیشت اور تعلیم اور معاشرت تک کے مباحث کتاب میں شامل ہیں۔ اسلام اور سائنس اور نئے وسائل پر بھی گفتگو کی گئی ہے۔ عالم اسلام کے احوال بھی زیر غور لائے گئے ہیں۔ قادیانیت پر خاص باب الگ ہے۔ متفرقات میں پہنچ کر ایک مسئلہ ایسا سامنے آتا ہے کہ جو ہے بہت ہی سادہ اور جس سے بات کرو وہی اس کی شدید ضرورت تسلیم کرتا ہے، مگر جتنے بھی حل بتلائے جاتے ہیں اُن کے مطابق کوئی عملی مثال پیدا نہیں ہوتی۔ مسئلہ ہے اتحاد کا، اتحاد کے بغیر اسلام کا نفاذ قطعی طور پر ناقابلِ تصور ہے۔ مولانا محمد تقی عثمانی نے نمبروار اس کے لیے جو عملی شرائط لکھے ہیں، اُن سے بڑی حد تک اتفاق کرتے ہوئے بھی میں یہی کہوں گا کہ ان خوبصورت اقوال پر کاربند کوئی بھی نہیں۔ اختلافی نزاعات میں شیطان نے مزہ ایسا بھر دیا ہے اور زجر و توبیخ اور طنز و تعریض کرنے سے گفتگو اتنی چٹ پٹی ہو جاتی ہے کہ مشکل ہی کوئی ذہین آدمی پرہیز توڑے بغیر رہ سکتا ہے۔ بعض لوگوں نے تلخ جذبات اور پست رجحانات کو اگلنے کے لیے مصنوعی احترام انکسار کا ایک ایسا پیرایہ ایجاد کیا ہے کہ بسا اوقات وہ طنز و زجر سے بھی زیادہ چبھن پیدا کر دیتا ہے۔

میرا خیال یہ ہے کہ جب بھی کوئی قضیہ دل میں آئے تو اولاً بالمشافہ گفتگو ہی سے شخص متعلق کے سامنے لانا چاہیے۔ پھر بھی اگر ضرورت ہو تو اس پر لکھا یا بولا جائے تو انداز گفتگو کا معیار وہ ہو جو خود اپنے خاص گروہ کے قابلِ ذکر افراد کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ تیسرے یہ کہ ایسی گفتگو میں بھی کسی شخص خاص یا گروہ خاص کو نشانہ بنائے بغیر کہا جا سکتا ہے کہ دین میں فلاں مسئلہ یوں ہے، یا فلاں معاملے میں حلال و حرام کی حدود یہ ہیں یا کسی نقطۂ نظر میں اتنا جزو درست ہے اور اتنا غلط۔

اب دیکھیے کہ افغانستان کے مجاہدین لڑ رہے ہیں مگر پوری طرح متحد نہیں ہیں۔ عالم اسلام بڑی آزمائش سے گذر رہا ہے مگر بنیان مرصوص نہیں ہے۔ اتحاد کی کانفرنسیں ہو جائیں گی مگر اختلاف اور معارضہ اسی طرح رہے گا۔ متحدہ محاذوں میں بھی مختلف عناصر جمع ہو جائیں گے مگر اِدھر اُدھر بیٹھ کر اپنے ہی اتحادیوں کے بارے میں کہتے پھریں گے کہ وہ تو منافق لوگ ہیں —— اور پھر محاذِ اتحاد کے اندر جتھہ بندی (باقی بر صفحہ ۴۱)

(بقیہ اشارات) اس متحدہ محاذ میں بھی رخنے موجود ہیں۔ مثلاً مغربی جرمنی اور فرانس دونوں کا خیال یہ ہے کہ ہم امریکہ کا ساتھ دیں گے مگر امریکہ سے دوستانہ روابط کی کوشش جاری رہنی چاہیئے۔

۷۔ امریکہ نے روسی جارحیت کے خلاف جو تدابیر اختیار کی ہیں وہ کسی جنگی کارروائی اور بڑے خطرے سے مطابقت نہیں رکھتیں۔ مثلاً معاملے کو سلامتی کونسل میں لے جانا (جہاں ویٹو کرنے کے لئے روس موجود تھا) پھر جنرل اسمبلی میں ایک کمزور سی قرارداد پاس کرانا جس میں بات اصولی ہے۔ روس کا نام تک نہیں لیا گیا۔ سست کار سرسری طریقے ہیں۔

دوسری تدبیر یہ ہے کہ روس، امریکہ اور دوسرے ممالک سے غلہ نہ خرید سکے۔ مگر ابھی تو اس نے سال چھ ماہ کے لئے غذائی ضروریات کا اسٹاک اقدام سے پہلے کر لیا ہوگا۔ پھر روس نے حالیہ فیصلے سے قبل امریکہ سے ضرورت کے وافر اسٹاک خرید لئے ہیں۔ خرید کردہ سٹاک کو روکنے کا فیصلہ ہوگیا ہے۔ خریداری کی بندش امریکی کسانوں کو ناپسند ہے، کیونکہ غلہ کی قیمتیں گر گئی ہیں۔ یہ کسان صدارتی انتخاب کے ووٹر بھی ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ امریکہ نے، کینیڈا، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ وغیرہ کو "غلہ روک" پالیسی پر ہم آہنگ کر لیا ہے۔ لیکن اس امر کی کیا ضمانت ہے کہ رہوڈیشیا کی طرح روس کے خلاف عائد کردہ پابندیوں ہی کو کچھ ممالک خفیہ اسمگلنگ سے بے اثر نہ کر دیں گے۔

تیسری تدبیر یہ ہے کہ روس کو جو اعلیٰ سائنٹیفک ٹیکنالوجی (کمپیوٹر وغیرہ) فراہم کی جا رہی تھی اسے روک دیا جائے۔ مگر ایک تو مکمل تجارتی انقطاع کی بات چھڑی نہیں دوسرے فرانس اور مغربی جرمنی کا کہنا یہ ہے کہ ہمیں تعلقات کو توڑنا نہیں بلکہ دیتانت اور سالٹ دوم وغیرہ کی شکل میں جو کوششیں ہوئی ہیں انہیں آگے بڑھانا چاہئے۔ نیز تجارت ہوتی رہے۔

چوتھی تدبیر یہ ہے کہ روس میں منعقد ہونے والے اولمپکس سے بائیکاٹ کیا جائے۔ اول تو اس پر اتفاق نہیں۔ ہو بھی تو کھیلوں کا بائیکاٹ نہ تو کسی بڑی مالی چوٹ کا ذریعہ ہے اور نہ ان طریقوں سے جارحیت کا قدم رک سکتا ہے۔

۸۔ بلاشبہ مسلم ممالک بھی خود اپنے مفاد کو ملحوظ رکھ کر متحرک ہو گئے ہیں۔ اور یہ چیز بھی امریکہ کے حق میں ہے۔ مگر مسلم ممالک کا بھی ایک تو طریق کار یہ ہے کہ کانفرنسیں منعقد کرنے کی طرف توجہ دیں، دوسرے یہ کہ ان میں اختلافی رو بھی موجود ہے۔ جیسے کہ اسلام آباد میں بین الاسلامی کانفرنس کے انعقاد کے خلاف

روس کے زیر اثر ملکوں نے کھلم کھلا اختلافی اظہار کیا ہے۔ نیز ان ممالک کا پہلے سے روس سے مفاد وابستہ ہے

یہ ہے امریکہ کی پوزیشن جو روسی جارحیت کے مخالف محاذ کا نمایاں سربراہ ہے۔

پاکستان کے بننے سے لے کر ابتک کے سارے ہی معاملات عقل کو چکرا دینے والے ہیں یہی پاکستان جس کا وجود بھارت کے مقابلے میں اہل مغرب کو کبھی قابلِ و تعت محسوس نہیں ہوا تھا اور "اسلامی بم" کی افسانہ طرازی کر کے جس کو مجرم ٹھہرایا گیا۔ اور سزا ہی کے طور پر ہر قسم کی امداد بند کر دی گئی، اب یکایک اسے کہا جاتا ہے کہ ہم امداد دینا چاہتے ہیں۔ قبول کرو۔ تم ضرورت مند ہو۔

آج سب کو پاکستان سیاسی جغرافیت کے لحاظ سے بے حد اہم ملک محسوس ہونے لگا ہے، اور ہر طرف دوستی کے آبشار امڈنے لگے ہیں۔

ہماری حکومت نے اِن حالات میں مناسب رویہ اختیار کیا کہ امداد کی پیشکش پر بغلیں بجانے کے بجائے، ٹھہراؤ سے دریافت کیا کہ یہ ایڈ وغیرہ کا کیا قصہ ہے؟ کیوں دینا چاہتے ہیں؟ کس مقدار میں؟ کن شرائط کے ساتھ؟ پھر یہ مطالبہ بھی سامنے آیا کہ امریکہ کو اگر دوستانہ تعلقات رکھنے ہوں تو وہ اس امر کی ضمانت دے کہ نازک حالات میں وہ کنارہ کشی نہ کر جائے گا جیسے کہ پہلے وہ مثالیں قائم کر چکا ہے۔

بہر حال روسی خطرہ دروازے پر ہے، فوجی قوت اور اسلحہ کی وافر مقدار مطلوب ہے، پیش کش ہو رہی ہے، اور امریکہ پاکستان کی محبت میں وارفتہ ہو کر نہیں، بلکہ اپنے مفاد و مشکلات کے زیر اثر کچھ نہ کچھ کرنے پر مجبور ہے۔

ہمارا کام یہ ہے کہ ہم چند پہلوؤں پر مضبوطی سے قائم رہیں۔

۱۔ فوجی امداد محض خانہ پُری کے طور پر نہ ہونی چاہیے بلکہ جدید ترین سامان اتنی بڑی مقدار میں ہو کہ روس جیسی قوت کے سامنے پاکستان کھڑا ہو سکے۔ ہمیں سیدھی اڑان کرنے والے جدید طیارے بھاری مقدار میں چاہییں، میزائیلوں کے اڈوں اور راکٹوں کی ضرورت ہے۔ ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں چاہییں۔ بانی کے لیے سرحدوں پر راڈار کا وسیع انتظام چاہیے۔ سمندر میں طیارہ بردار اور تباہ کن جہازوں کے علاوہ میزائیل بردار آبدوزوں کی ضرورت ہے۔

۲- محض اسلحہ کی امداد سے کام نہیں چلتا۔ جنگی قوت کے پیچھے مضبوط اقتصادی اور صنعتی قوت ہونی چاہیے بہت سی پکی سڑکیں یا ریلوے لائینیں بنانی پڑ سکتی ہیں۔ دو ایک جگہ پہاڑوں میں سوراخ کر کے راستے بنانے کی ضرورت ہے۔ سکھر کے پل کا متبادل بھی ہونا چاہیے۔ اس معاملے میں صدر پاکستان نے ۴۰ کروڑ ڈالر کی اعلان کردہ امداد کو بے وقعت قرار دے کر اچھا کیا ہے۔ ستم یہ کہ بھارت کے لیے روس کی بھاری امداد کا اعلان ہو گیا

۳- اس امداد کے ساتھ ایسی شرائط نہ ہونی چاہییں جو ہماری آزادی و سالمیت پر اثر انداز ہوں یا امریکہ ہماری پالیسیوں کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لینے کی راہیں نکال لے۔ خصوصاً احیائے اسلام کے سلسلے میں ہماری مساعی میں کوئی رکاوٹ نہ ڈالی جائے۔ نیز مغرب کے تہذیبی و معاشرتی مفاسد کو ہم پر نہ ٹھونسا جائے۔

۴- یہ اصولی بات پہلے دن سے واضح رہنی چاہیے کہ پاکستان کسی دوسرے کی جنگ نہیں لڑے گا۔ صرف اپنی جنگ لڑے گا۔ اُسے آلۂ کار بنا کر استعمال نہ کیا جائے۔

۵- جیسا کہ پہلے بات آچکی ہے، امریکہ کو ضمانت دینی چاہیے کہ وہ ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء جیسا رویہ اختیار کرے گا بلکہ پاکستان پر اگر مشکل وقت آئے تو وہ حق ادا کرے گا۔ صدر پاکستان نے ایک نئے معاہدۂ دوستی کی تجویز اسی ضرورت سے کی تھی۔ صدر کارٹر کا کہنا ہے کہ ایسے معاہدے کی منظوری کانگریس سے لینے میں دیر لگ جائے گی۔ بدرجۂ آخر اس کا علاج یہ ہے کہ صدر کارٹر اقوام متحدہ کے اجلاس میں اپنے اب تک کے واضح کردہ نقطۂ نظر کو ڈیکلیئر کر کے عالمی ریکارڈ پر لے آئیں۔

یہ ایک اچھی صورت ہے کہ چین جیسی اُبھرتی ہوئی قوت کی پائیدار دوستی پاکستان کو حاصل ہے۔ ہمارا دارومدار امریکہ پر نہیں۔ نیز امریکہ ایک ایسا کنسورشیم بنا رہا ہے جس میں مغربی ممالک اور مسلم ممالک شریک ہوں اور اسلحہ اگر مغرب فراہم کرے تو اُس کی قیمت کا بوجھ تیل پیدا کرنے والے مسلم ممالک اُٹھائیں۔

پاکستان تو افغانستان سے بالکل ملحق ہے۔ امریکہ نے تین اطراف میں روسی مزاحمت کے انتظامات کا منصوبہ بنایا ہے۔ ایک طرف چین، دوسری طرف ترکیہ اور تیسری طرف سعودی عرب (مع خلیجی ممالک) اور مصر۔

یہ بھی اچھی علامت ہے کہ امریکہ کی رائے عام افغانستان میں روسی جارحیت کے واقعے سے شدید متاثر ہوئی ہے۔ جیسے کوئی سوتا ہوا شخص ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھے۔ اس صورت میں صدر کارٹر یا کانگریس

کے لیے مناسب اقدامات کرنا آسان ہوگا۔

آخری بات مجھے صرف یہ کہنی ہے کہ حالات کا یہ طوفانی مد وجزر جس کی لہریں ہمارے گھر کی دہلیز سے ٹکرا رہی ہیں، ہرگز ایسا نہیں ہے کہ ہم پریشان ہوجائیں۔ اسلام سے رشتہ استوار رکھ کر اگر حوصلے بلند رکھے جائیں تو یہ مرحلہ بھی بخیریت گذر جائے گا۔

اس سلسلے میں چند امور ذہن نشین کرنا ضروری ہیں:۔

ایک یہ کہ اس وقت مصیبت تنہا ہمارے لیے نہیں ہے۔ بلکہ اگر ہمارا وجود حائل نہ رہے تو مغربی ممالک کے ہاتھوں سے نہ صرف تیل کے مراکز جاتے ہیں بلکہ ایشیا، افریقہ، عرب اور ایران کی تجارتی منڈیاں بھی جاتی ہیں، جہاں سے سستی خام اجناس خرید کر مغرب والے اپنا مہنگا صنعتی مال بیچتے ہیں۔ اتنا ہی نہیں حالیہ جارحیت کو اگر دنیا پسپا نہ کرا سکی تو امریکہ روس کے کسی بھی آئندہ اقدام پر کچھ نہ کر سکے گا بلکہ اُسے دم بخود ہو کر رہنا ہوگا، اور جہاں کہیں اس کا تھوڑا بہت عمل ہے وہاں سے بھی پسپا ہونا ہوگا۔ یہ بڑا فیصلہ کن موقع ہے۔ مصیبت ہماری اتنی نہیں، جتنی امریکہ اور مغرب والوں کی ہے۔

ہمارے وجود کے ساتھ اس وقت پورے عالم اسلام کا مستقبل بندھا ہوا ہے۔ مصر، سعودی عرب، ترکیہ، ایران، ملائشیا، انڈونیشیا سب خطرات کی زد میں ہیں۔ پس اس وقت ہم اپنا پارٹ ادا کرنے میں تو درحقیقت ہم پورے عالم اسلام کے تحفظ کا ذریعہ بنیں گے۔

پھر خود بھارت، سری لنکا، بنگلہ دیش اور ہند چینی کے ممالک بھی پہلے سے زیادہ مشکل صورت حالات سے دوچار ہو رہے ہیں۔ اُن کی آزادانہ وخودارانہ زندگیوں کا تحفظ بھی ہمارے ذریعے ہو سکتا ہے۔

دوسرے یہ کہ ہمارے ہاں ــــ پاکستان، ایران، ترکیہ، مصر اور دوسرے عرب ممالک میں ــــ اسلام ایک شعوری تحریک کے طور پر متحرک ہو چکا ہے۔ کسی جارحیت کے ذریعے اس مرحلے پر اس "اُبال" کو دبا دینے کے معنی یہ ہیں کہ کسی بوائلر میں جب بھاپ بھری ہوئی ہو تو آپ اُس کا ڈھکن بند کر دیں گے۔ بوائلر لازماً پھٹ کر ہر اُس قوت کو تباہ کرے گا جو بوائلر کو بند کر کے اس کے ڈھکن پر ڈیرا جمائے۔

تیسرے یہ کہ بلاشبہ جارحیت اور جنگی کارروائیاں تحریکوں کے نشوونما کو وقتی طور پر روک دیتی ہیں

لیکن جو تحریکیں وسیع لٹریچر رکھتی ہوں، وہ بار بار ابھر آتی ہیں۔ لٹریچر تاریخ کا حافظ ہے۔ یہ حافظہ اگر قائم رہے تو عشق فراموشی ممکن نہیں۔ خدا کا فضل ہے کہ پاکستان، مصر اور ترکیہ سے شائع ہونے والے اسلامی تحریکی لٹریچر کو بڑا پھیلاؤ ملا ہے۔ مختلف زبانوں میں امریکہ سے لے کر جاپان تک یہ موجود ہے جنگی کارروائیاں جونہی رکیں گی۔ یہ لٹریچر اپنا کام کرے گا۔

چوتھے یہ کہ روس میں جو نظامِ جبریت قائم ہے اس کے آہنی خول سے جب وہ باہر نکلے گا تو اسے قائم رکھنا مشکل ہو جائے گا۔ پہلے سے انسانی حقوق کے لئے روس کے اندر تحریک موجود ہے، وہ آئندہ اور زور پکڑے گی۔ روس کے ترکستانی علاقوں کے مسلمان جب باہر کے مسلمانوں سے میل جول کریں گے اور دنیا کا لٹریچر اور اخبار پڑھیں گے، اور ذرائع ابلاغ سے استفادہ کریں گے تو خود ان میں نئی رد پیدا ہو گی۔ روس کے حالیہ توسیعی اقدامات کا نتیجہ بالآخر یہی ہو گا کہ روس کا استحکام متزلزل ہو جائے گا۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح چنگیز و ہلاکو کا طوفان بہیمیت اسلام سے ٹکرانے کے بعد سرد پڑ گیا۔

ان وجوہ سے میں سمجھتا ہوں کہ اگر پاکستان یا کسی اور مسلم ملک پر سے جارحیت کی لہر گذر جائے اور افراد کی ایک تعداد اس کا لقمہ بن جائے تو بھی اسلام کو بحیثیت ایک تحریک کے اب کوئی طاقت ختم نہیں کر سکتی۔ ہمارے انقلاب کو چند سال کے لئے مؤخر تو کیا جا سکتا ہے، اب اسے ملیامیٹ نہیں کیا جا سکتا۔

باقی سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، وہی مالک الملک ہے۔ اس کے بنائے ہوئے قوانین کے تحت نظامِ عالم چل رہا ہے، اس کی مشیت کسی کو اٹھاتی اور کسی کو گراتی ہے اور کسی کو بہت اونچا اٹھا کر جب گراتی ہے تو وہ چکنا چور کر کے ہی چھوڑتی ہے۔